خلاصہ جات   اُردو لازمی سال اول

ترتیب و تالیف: کاشف بشیر کاشف (ایم۔فل اُردو)
0333-6912300

سبق نمبر 4: فاقہ میں روزہ

مصنف: خواجہ حسن نظامی

خواجہ حسن نظامی (سید علی حسن) 1879 میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ان کے والد حافظ سید عاشق علی نظامی تھے، والدہ سیدہ چہیتی بیگم تھیں۔ان کا شجرہ حضرت علی مرتضیٰ سے ملتا ہے۔ خواجہ حسن نظامی کا تعلق صوفی خاندان سے تھا اس لیے انہوں نے بھی خاندانی روایت کے مطابق خواجہ غلام فرید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ان کے انتقال کے بعد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت ہوئے۔وہ درگاہ سے وابستہ تھے مگر پیرزادگی انہیں پسند نہ تھی اس لیے معاش کی دوسری راہ نکالی۔وہ صحافت سے وابستہ ہو گئے۔انہوں نے حلقہ نظام المشائخ قائم کیا جس کے تحت 'نظام المشائخ' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔اپنے ایک دوست احسان الحق کے ہفتہ وار اخبار 'توحید' کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔پھر اپنا رسالہ 'منادی' بھی نکالا۔ خواجہ حسن نظامی نے روزنامچہ کو باقاعدہ صنف کی حیثیت دی.خواجہ حسن نظامی ایک مؤرخ بھی تھے۔ 1857 کے انقلاب پر ان کی گہری نظر تھی۔انہوں نے اس ضمن میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ تاریخ کا بیش قیمتی سرمایہ ہیں۔بیگمات کے آنسو، غدر کے اخبار، غدر کے فرمان، بہادر شاہ ظفر کا مقدمہ ، غدر کی صبح و شام، محاصرہ دہلی کے خطوط ان کی نہایت اہم کتابیں ہیں۔

اشارات

1۔مرزا سلیم کی محفل اور والدہ کا حکم   2۔جامع مسجد کی رونقیں   3۔غدر میں مسجد کی حالت   4۔مرزا شہ زور کی نقل مکانی

5 ۔سفر کی مشکلات   6۔میواتی گاؤں میں قیام اور مصایب   7۔بیوی کا انتقال، فاقہ کشی اور زکوۃ کا واقعہ   8۔والدہ کا انتقال اور پنشن

خلاصہ

جب دہلی کے لال قلعہ پر تیموریوں کا آخری نشان لہرا رہا تھا۔انھی دنوں کا ذکر ہے کہ بادشاہ ابو ظفر بہادر شاہ کے بھائی مرزا سلیم مردانہ خانے میں دوستوں سے گفتگو میں مصروف تھے۔ اتنے میں زنان خانے سے ایک لونڈی نے آکر ادب سے بیگم صاحبہ کا پیغام دیا۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے واپس آئے تو مغموم دکھائی دے رہے تھے۔ ایک دوست نے پریشانی کی وجہ دریافت کی۔ توانھوں نے بتایا کہ کل شام افطاری کے وقت نتھن خان گویا گا کر میرا دل بہلا رہا تھا، اس دوران اماں حضور قرآن پڑھ رہی تھیں۔ انھیں شور و غل برا لگا۔انھوں نے رمضان میں ایسی محفلیں بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ بلحاظ ادب قبول تو کر لیا لیکن اس پابندی سے جی گھبراتا ہے کہ اب سولہ دن کیسے بسر ہوں گے ؟ایک مصاحب نے تجویز دی کہ افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے جایا کریں، عجب بہار ہوتی ہے، رنگ رنگ کے آدمی ہوتے ہیں، آپ کی طبیعت بہل جائے گی۔ جب مرزا سلیم وہاں گئے تو عجب نظارا دیکھا کہیں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہے تو کہیں مسائل دین پر بحث ہو رہی ہے، کہیں مراقبہ کا حلقہ ہے تو کہیں وظائف پڑھے جا رہے ہیں۔ الغرض چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔ کُل جدید لذیذٌ کے مصداق مرزا کو یہ نظارہ بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ افطار کے وقت انظاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ قلعہ کی بیگمات اور شہر کے امرا سب یہاں روزداروں کے لیے رنگ برنگ خوان پوشوں میں افطاری کا سامان بھیجتے تھے اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہو جاتی تھی۔ مرزا کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا۔ اب وہ روزانہ مسجد جانے لگے۔ گھروں میں بھی یہ دن بڑی برکت اور چہل پہل کے معلوم ہوتے تھے۔ مرزا سلیم کے بھانجے مرزا شہ زور نوعمری کے سبب اکثر ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب دہلی اجڑی اور قلعہ برباد کر دیا گیا تو بیگمات جو پہلے خیرات کرتی تھیں خود محتاج ہو گئیں اور نوکرانیوں کی طرح کام کرنے لگیں۔ مسلمانوں کی شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ ایسے میں ایک دفعہ رمضان میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا

تو وہ مسجد جہاں خوب رونق ہوا کرتی تھی، اُسے اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد مسجد واگزاشت ہوئی اور مسلمانوں کے حوالے کی گئی تو رمضان میں وہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ اب وہاں کچھ پیوند لگے کپڑوں میں غریب مسلمان ہی وظیفہ پڑھتے نظر آئے۔ افطار کے وقت بھی کسی نے سبزی کے قتلے اور دال سیو ہی تقسیم کیے ۔ مرزا شہ زور کے لہجے میں درد کی تاثیر محسوس کرتے ہوئے میں نے ان سے غدر کا واقعہ سنانے پر اصرار کیا تو انھوں نے بتایا کہ جب انگریزی توپوں نے شہر میں آگ برسائی تو سات پردوں میں رہنے والیاں، بے پردہ بازار میں اپنے وارثوں کی تڑپتی لاشوں کو دیکھنے نکل آئیں۔ بچے 'ابا ابا' پکارتے بے یار و مدد گار پھرنے لگے۔ بہادر شاہ ظفر جو سب کا سہارا تھے، قلعہ چھوڑ کر نکل گئے۔ اس وقت میں بھی اپنی بوڑھی ماں، کم سن بہن اور حاملہ بیوی کو ساتھ لے کر دو رتھوں میں سوار ہو کر گھر سے نکلا۔ چھترپور کے قریب گوجروں نے حملہ کیا اور سب سامان لوٹ لیا۔ لق و دق جنگل میں عورتوں کا پیدل چلنا دشوار ہو گیا۔ عورتیں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتیں اور اپنی قسمت پر آنسو بہاتیں۔ والدہ کہتی تھیں الٰہی اب کہاں جائیں؟ کس کا سہارا ڈھونڈیں؟ ہم چنگیز خاں کی نسل اور تیمور کی اولاد ہیں، ہم شاہ جہاں کے گھر والے ہیں، عزت والے تھے لیکن اب زمین ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں دیتی؟ الغرض بڑی مشکل سے مسلمان میواتیوں کے ایک گاؤں میں پہنچے۔ چند روز انھوں نے ہمیں چوپاڑ (چوپال) میں ٹھہرایا اور کھانے پینا فراہم کرتے رہے لیکن وہ کب تک یہ بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ ایک دن اُن کے چودھری نے کہا، میاں بے کار گھر میں بیٹھے رہتے ہو کوئی کام کاج کیا کرو۔ میں نے کہا مجھے تو تلوار چلانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ آخر انھوں نے مجھے کھیتوں کی رکھوالی پر مامور کر دیا اور عورتوں کو کپڑے سینے کا کام دیا۔ اس کے عوض انھوں نے سال بھر کا اناج دینا قبول کر لیا۔ ایک دفعہ بھادوں کے مہینے میں سب کو بخار نے آلیا۔ میری اہلیہ اور بہن کو بھی بخار آنے لگا۔ ایک رات اس زور سے بارش ہوئی کہ جنگل کا نالہ چڑھ آیا اور گاؤں میں کمر کمر پانی ہو گیا۔ عورتوں کی چارپائیاں غرقاب ہو گئیں۔ پچھلی رات میری ہوئی کو دردِ زہ شروع ہوا اور ساتھ ہی جاڑے سے بخار بھی ہو گیا۔ اس کی حالت ابتر ہو گئی، یہاں تک کہ تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ بچہ پیٹ میں ہی رہا۔ صبح ہوئی تو گاؤں والوں نے کفن وغیرہ منگوا کر دوپہر تک دفن کر دیا۔ اب ہمیں کھانے کی فکر ہوئی کیوں کہ اناج سب بھیگ کر خراب ہو گیا تھا۔ گاؤں والوں سے مانگتے ہوئے شرم آتی تھی۔ پھر گاؤں کے چودھری کو خود ہی خیال آیا اور اس نے قطب صاحب سے ایک روپے کا آٹا منگوا دیا۔ آٹا نصف کے قریب خرچ ہوا ہو گا کہ رمضان شروع ہو گیا۔ چار پانچ دن تو آرام سے گزر گئے لیکن جب آٹا ختم ہوا تو بڑی مشکل پیش آئی۔ شام کو پانی سے روزہ کھولا، بھوک کے مارے کلیجا منہ کو آتا تھا۔ چھوٹی بہن کے چہرے پر بھوک کے مارے ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ولا سا دینے پر وہ معصوم بھی چارپائی پر جاپڑی اور کچھ دیر میں سو گئی۔ سحری کے وقت والدہ نے تہجد کی نماز کے بعد ایسے دردناک الفاظ میں دعا کی کہ بیان کرنا محال ہے۔ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ہم نے ایسا کیا قصور کیا جس کی سزا مل رہی ہے۔ رمضان کے مہینے میں ہم سینکڑوں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے، اب خود محتاج ہیں۔ روزہ پر روزہ رکھتے ہیں۔ خداوند! اگر ہم سے قصور ہوا ہے تو اس معصوم بچی نے کیا خطا کی؟ جس کے منہ میں کل سے ایک دانہ تک نہیں گیا۔ دوسرا دن بھی اس طرح گزر گیا اور فاقہ میں روزہ در روزہ رکھنا پڑا۔ شام کے وقت چودھری کا آدمی نیاز کا دودھ اور میٹھے چاول لایا۔ اس نے پانچ روپے زکوۃ کے بھی دیے۔ کھانا اور روپے دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا گویا بادشاہت مل گئی۔ والدہ کو بتایا تو ان کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ فاقہ کے باوجود انھوں نے تیور بدل کر کہا، لعنت ہے تیری غیرت پر، زکوۃ لے کر خوش ہوتا ہے، اس سے تو مر جانا بہتر تھا۔ اگرچہ ہم مٹ گئے لیکن ہماری غیرت نہیں مٹی۔ تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔ والدہ کی باتوں سے مجھے شرم آنے لگی لیکن سب کچھ سہنا پڑا۔ روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھانا کھایا اور پانچ روپے کا آٹا منگوایا جس سے رمضان خیر و خوبی سے بسر ہو گیا۔ اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں رہے پھر دہلی چلے آئے۔ یہاں والدہ انتقال کر گئیں اور بہن کی شادی ہو گئی۔ انگریز سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی۔ جس پر زندگی گزر رہی ہے۔